جلد ۹۵ - ماہ ذیقعدہ ۱۳۸۴ھ مطابق ماہ مارچ ۱۹۶۵ء - نمبر ۳

مضامین

مناقب الاصفیاء

(خانوادۂ فردوسیہ کا قدیم ترین تذکرہ)

از جناب سید شمیم احمد صاحب ڈھاکہ

حضرت مخدوم الملک شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری بہاریؒ اور فردوسیہ سلسلہ کے بزرگوں کے حالات میں عموماً "مناقب الاصفیاء" کا حوالہ دیا جاتا ہے، یہ اس خانوادہ کا قدیم ترین اور نہایت مستند تذکرہ سمجھا جاتا ہے، کیونکہ حضرت مخدوم شاہ شعیب کی تصنیف بتائی جاتی ہے، ان کا مزار شیخ پورہ (ضلع مونگیر) بہار میں ہے، آپ مخدوم الملک کے چچازاد بھائی، ہمعصر اور ایک روایت کے اعتبار سے مرید تھے۔ کہا جاتا ہے کہ مخدوم الملک نے مولانا مظفر بلخی کو وصیت کی تھی، کہ میرا خرقہ، عمامہ اور مقراض "برادرم شعیب" کو پہنچا دیا جائے، مولانا مظفر کو اس کا خیال نہ رہا، یہاں تک کہ ان کا وصال ہو گیا، شیخ حسین سجادہ نشین ہوئے تو انھوں نے مخدوم الملک کو خواب میں دیکھا، وہ کہہ رہے ہیں "برادرم شعیب" کو انکی امانت جلد پہنچا دو، اس ہدایت کے مطابق شیخ حسین نے سب چیزیں اپنے صاحبزادے شیخ حسن بلخی کے ہاتھ بھیجدیں، ادھر سے شیخ حسن چلے ادھر وہ باشراق باطن" دریافت کر کے حضرت شعیب بہار کی طرف روانہ ہوئے، دونوں بزرگوں کی ملاقات راستے میں ہوئی، شیخ حسن نے اپنے والد کی طرف سے معذرت کے بعد تمام چیزیں حوالہ کیں، حضرت شعیب نے یہ تبرکات شوق اور عقیدت واحترام کے ساتھ قبول فرمائے، اور حضرت حسن بلخی سے اصرار کیا کہ آپ بھی مجھے خلافت سے نوازیں۔[1]

[1] وسیلۂ شرف ص ۱۲۷

حضرت کمسن تھے، اس فرمائش سے بہت منفعل ہوئے، لیکن حضرت شعیب نہ مانے، کہنے لگے آپ کے والد نے آپ کو میری تنظیم کا حکم دیا ہے، اس لیے میری خواہش پوری کیجئے۔ اس اصرار پر حضرت حسن مجبور ہوگئے، اور شرمندگی کے ساتھ خلافت عطا کی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت شعیب بیعت بھی شیخ حسن ہی سے تھے۔ یہ تفصیل وسیلۂ شرف[1] میں ایک رسالہ اور خاندانی روایات کی بنیاد پر لکھی گئی ہے، حال ہی میں شیخ پورہ (بہار) سے مناقب الشعیب کے نام سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے، اس میں بھی یہی روایات درج ہیں، مخدوم الملک سے حضرت شعیب کے دو شجرے رائج ہیں، ایک تو براہ راست اور دوسرا حضرت حسن بلخی کے توسط سے یعنی حضرت شعیب کو شیخ حسن سے، شیخ حسن کو شیخ حسین سے، انھیں مولانا مظفر بلخی سے اور مولانا مظفر بلخی کو مخدوم الملک سے اجازت و خلافت ملی، اس روحانی تعلق کے ماسوا مخدوم الملک اور شاہ شعیب کا خاندانی تعلق اس طرح ہے۔ مخدوم الملک بن مخدوم یحیی بن مخدوم اسرائیل بن حضرت امام تاج فقیہ اور مخدوم شاہ شعیب بن مخدوم جلال بن مخدوم عبدالعزیز بن حضرت امام تاج فقیہ۔ مخدوم الملک کی ایک خالہ کی شادی شاہ مخدوم شعیب کے حقیقی چچا حضرت مخدوم سلیمان لنگر زمین سے ہوئی تھی، غرض حضرت مخدوم شاہ شعیب کی حیثیت کئی طرح سے اہم ہے، آپ نے مخدوم الملک سے لیکر شیخ حسین بلخی کا ابتدائی دور تک دیکھا۔ چونکہ مناقب الاصفیاء کو آپ سے منسوب کیا جاتا ہے، اس لیے اس کتاب کی قدامت واہمیت مسلم ہے۔

اس کی گذشتہ ستر اسی سال سے بڑی شہرت ہے، اس کے قلمی نسخے مختلف خانقاہوں اور سجادگان کے یہاں ملتے ہیں، پہلی بار یہ کتاب پنجم ماہ صفر ۱۳۱۳ھ مطابق ۲۸ جولائی ۱۸۹۵ء کو مطبع "نور الآفاق" کلکتہ سے، مولوی سید اقبال علی کے حسب فرمائش محمد بشیر نام کے کسی

[1] وسیلۂ شرف ص ۲۵ تا ۲۹

شخص کے زیر اہتمام شائع ہوئی۔ کاتب کا نام محمد ہدایت اللہ مظفر پوری درج ہے، حاشیے پر جگہ جگہ عربی عبارتوں کا فارسی ترجمہ بحر بہاری کا ہے۔ حاشیے ہی پر بحر بہاری کی دو نظمیں بھی ہیں، ایک مخدوم الملک کی مدح میں، دوسری مولانا مظفر بہاری کے شان میں۔ بحر بہاری نے قطعۂ تاریخ طبع بھی کہا ہے:

بے مثال اندر تصوف نسخۂ	طبع گشتہ چوں ز جہد ایں گدا
بحر بردم سر بجیب فکر سال	گفت ملہم بحر فیض الاصفیاء ۱۳۱۳ھ

دوسرا قطعۂ تاریخ محمد بشیر صاحب کا کہا ہوا درج ہے۔

چوں مناقب اصفیاء مطبوع شد	ذکر پیران طریقت اہتدا
مصرع تاریخ آں گویم بشیر	مصدر عرفان و اسرار علی ۱۳۱۳ھ

کتاب زیادہ ضخیم نہیں ہے، معارف کے سائز میں کل ۱۵۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

مناقب الاصفیاء کے مطبوعہ و قلمی نسخے میں ایک جگہ تھوڑا سا فرق ہوگیا ہے۔ شاہ فرزند علی صوفی منیری نے ۱۳۱۳ھ میں مخدوم الملک اور پیران سلسلۂ فردوسیہ کے حالات میں وسیلۂ شرف[1] تالیف کی، اس میں انھوں نے مناقب الاصفیاء کے قلمی نسخے سے اس حصہ کا بھی ترجمہ کردیا ہے جو مخدوم الملک سے متعلق ہے، اس ترجمہ کی عبارت ایک جگہ یہ ہے "جس زمانہ میں سنار گاؤں میں علم میں مشغول تھے، ایک بیماری عارض ہوگئی تھی، وہاں طبیبوں نے کہا کہ اس مرض کی دوا جماع ہے، دفع مرض کے لیے ایک جاریہ رکھی، اس جاریہ سے ایک بیٹا ہوا" فارسی کے مطبوعہ نسخہ میں جاریہ کے بجائے "نکاح کرد" ہے۔ اصل عبارت یہ ہے:

در انچہ در سنار گاؤں در علم مشغول بود، مرض حادث شدہ بود اطبائے آں مقام

[1] وسیلۂ شرف ص ۱۲ (تیسرا اڈیشن مطبوعہ چاٹگام)

گفتند دوائے ایں مرض جماع است برائے دفع مرض نکاح کرد آزاں یک پسر شد[1]"

شروع کے دس صفحات تمہید سبب تالیف اور مقدمہ پر مشتمل ہیں، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر مولانا مظفر بلخی تک ان سب بزرگوں کا ذکر ہے، جن کا نام شجرہ[2] میں آتا ہے۔

مولف نے اپنے خانوادہ کے پیروں کے ساتھ مبالغہ کی حد تک عقیدت کا اظہار کیا ہے، لکھتے ہیں:

"پیران ایں شجرہ مبارکہ از جمیع مشائخ روئے زمین ممتاز اند و روش ایں صدیقاں از روش جملہ مشائخ خانوادہ دیگر از صلحاء و زہاد و عباد ممتاز است و کلمات ایں مشائخ را در طور عشق و محبت و توحید و معرفت علوے است کہ کلمات دیگراں بلطافت آں نرسد فی الجملہ ایں شجرہ طیبہ رنگے دارد کہ غیر او ندارد......[3]"

جہاں تک واقعات اور ان سے متعلق تاریخ و سنین کا تعلق ہے مؤلف نے احتیاط سے کام لینے کی کوشش کی ہے، جہاں اختلاف ہے وہاں اس کا بھی ذکر کر دیا ہے، مناقب الاصفیا کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مولف نے محنت اور دیدہ ریزی سے کام لیا ہے، حضرت فرید الدین عطار کی تذکرۃ الاولیا، حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش کی کشف المحجوب[4] خواجہ غریب نواز کے ملفوظ دلیل العارفین[5] مرتبہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، راحت القلوب[6] ملفوظ حضرت فرید گنج شکر فوائد الفواد[7] اور سراج العارفین، ملفوظات حضرت نظام الدین اولیا، خیر المجالس[8] حضرت نصیر الدین چراغ دہلی، اور سیر الاولیا[9] مرتبہ امیر خورد وغیرہ کا پورا مطالعہ کیا ہے، اس کے علاوہ امام غزالی، قاضی عین القضاۃ، محی الدین ابن عربی، امام نووی، حضرت ابو نجیب ابو القاہر سہروردی

---

[1] مناقب الاصفیا ص ۲۰۰، [2] شجرہ فردوسیہ کے لیے مناقب الاصفیا کے علاوہ ذریعہ دولت ص ۲۳۹ اور تاریخ سلسلہ فردوسیہ (از معین دردائی) ص ۱۰ ملاحظہ ہو [3] مناقب الاصفیا ص ۴ [4] ایضا ص ۸۰، ۸۳، ۸۴، ۸۵، [5] ایضا [6] ایضا ص ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، [7] ایضا ص ۹۰، ۹۸، ۱۱۰، ۱۱۹، ۱۲۰، [8] ایضا ص ۱۲۱ [9] ایضا ص ۱۱۹، ۱۲۰ [10] ایضا ص ۱۰۱

شیخ الشیوخ خواجہ شہاب الدین سہروردی کی تصانیف اور فرید الدین عطار، مولانا روم، شیخ سعدی اور دوسرے علما و مشائخ اور شعرا کے کلام سے بھی استفادہ کیا ہے، مخدوم الملک اور مولانا مظفر بلخی کے حالات مرتب کرنے میں مخدوم الملک کے مکتوبات[1]، معدن المعانی[2]، اجوبہ کاکوریہ[3]، وصیت نامہ[4]، برہان الاتقیا[5] اور شیخ حسین بلخی کی تصانیف[6] اور شیخ حسن بن شیخ حسین کے رسالہ لطیف المعانی[7] کے حوالے دئے ہیں۔

تذکرۃ الاولیا سے استفادہ | مناقب الاصفیا میں ہر بزرگ کا ذکر اتباع تذکرۃ الاولیا کے طرز پر کیا گیا ہے، دونوں تذکروں سے کچھ نمونے پیش کیے جاتے ہیں، حضرت فرید الدین عطار نے تذکرۃ الاولیا میں امام جعفر صادق اور حضرت جنید بغدادی کا تعارف اس طرح کرایا ہے۔

"ذکر امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ، آں سلطان ملت مصطفوی آں برہان حجت نبوی آں عامل صدیق آں عالم تحقیق آں میوہ دل اولیا آں جگر گوشہ سید انبیا آں ناقد علی آں وارث نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام آں عارف عاشق ابو محمد امام جعفر رضی اللہ عنہ[8]"

ذکر خواجہ جنید بغدادی:- "آں شیخ علی الاطلاق آں قطب باستحقاق آں منبع اسرار آں مرقع انوار آں سبق بردہ باستادے سلطان طریقت و ارشاد جنید بغدادی شیخ الشیوخ عالم بود و امام ائمہ جہاں.....[9]"

مناقب الاصفیا میں بھی یہی روش اختیار کی ہے، دونوں بزرگوں کا تعارف اس طرح کرایا گیا ہے۔

ذکر امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ:- "آں عمدۂ اولیا آں زبدۂ اصفیا آں مقبول بامامت آں مقیم مقام استقامت آں ثمرہ شجرہ رسالت آں شعبہ دوحہ کرامت آں کوکب سماء عز و جلال[10]

---

[1] مناقب الاصفیا ص ۸۰، ۱۲۲ [2] ایضا ص ۹۵، ۱۳۵ [3] ایضا ص ۹۸، ۱۴۰ [4] ایضا ص ۱۰۳ [5] ایضا ص ۱۰۱، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۴، ۱۲۱ [6] ایضا ص ۶۲، ۹۳، ۹۴، ۱۳۶ [7] ایضا ص ۱۰۱ [8] تذکرۃ الاولیا مطبوعہ مطبع محمدی بمبئی ۱۲۸۳ھ ص ۹ [9] ایضا ص ۹۹ [10] مناقب الاصفیا ص ۵۶

آں فرید بحر سیادت وکمال آں معدن حکمت ربانی آں ساکن کعبۂ سبحانی آں جلیل سبیل تعلیل
خاندان آں سلالۂ جلیل کرام دودمان آں استاد حاذق ابو محمد جعفر صادق رضی اللہ عنہ۔[1]

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے: "آں بانی مبانی مقتدا
آں مجتہد و صانع طریق رہنمائے آں واعظ خلائق آں ناطق بحقائق آں سایح قلوب عشق
ومحبت آں سایح بحار توحید و معرفت آں قطب بالاتفاق آں شیخ علی الاطلاق آں
ماہر فنون شیخی و استادی خواجہ ابو القاسم جنید بن محمد بغدادی نور اللہ مرقدہ شیخ المشایخ
عالم و امام متفق علیہ بود تا اہل تصوف اورا سید الطائفہ گفتند و شیخ المشائخ نوشتند"[2]

گواند از تذکرۃ الاولیا کا ضرور ہے لیکن محض تقلید یا نقالی نہیں ہے، بلکہ مولف نے اس طرز سے فائدہ اٹھایا ہے، اور اس رنگ کو اور نکھارنے کی کوشش کی ہے، بعض تذکرے ادب و انشاء کا بہترین نمونہ ہیں، حضرت امام حسین علیہ السلام کے حال میں لکھتے ہیں:

ذکر حضرت امام حسین علیہ السلام:۔ آں نگین خاتم نبوت آں دُر دریائے کرم و فتوت
آں سید جوانان جناں آں یکے از دو لولو و مرجان آں سر دفتر شہید القتیل اللہ
آں سر لشکر قتلاء سبیل اللہ آں مخزن اسرار محبت آں راز دار بلایاے حضرت آں
ہمائے فضائے محبت و شہباز عشق آں سیمرغ قاف معرفت و مقتول تیغ ناز عشق
آں گل گلشن و ریحان چمن رسالت آں مبتلاء و حریق، مولا امیر المومنین حسین شہید
دشت کربلا ...."

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک

نمبر ۱۱ سے نمبر ۳۱ صفحے تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات ہیں، لیکن یہاں بھی تاریخی حقائق سے زیادہ غلو سے کام لیا گیا ہے، نہر سادہ کے خشک ہو جانے، ایوان کسریٰ کے چودہ کنگرے گر پڑنے، آتشکدۂ ایران کے سرد ہو جانے وغیرہ

کا ذکر خاص طور سے کیا گیا ہے، بعض واقعات میں مولف نے حوالہ بھی دیا ہے، اگر کسی مورخ یا محدث کی بجائے ایسے علماء کا جن کی شہرت حلقۂ مشائخ میں زیادہ ہے، مولف نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی تاریخ "دوشنبہ ہشتم ماہ ربیع الاول" لکھی ہے،[1] لیکن کسی تاریخ، سیرت یا حدیث کی کتاب کا حوالہ نہیں دیا ہے، بعض مسلّم واقعات کے خلاف، روایتیں لکھی ہیں، مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے چند ماہ قبل ہی آپ کے والد حضرت عبد اللہ کا انتقال ہو چکا تھا، لیکن صاحب مناقب الاصفیا لکھتے ہیں:

"محمد مصطفےٰ علیہ السلام بدو سال و چہار ماہ رسیدہ بود کہ عبد اللہ پدر وے در مدینہ بیمار گشت[2]
وفات یافت و بروایتے ہفت ماہہ بود و بروایتے دو ماہہ"

ایک جگہ لکھا ہے کہ رسول اللہ نے ایک بار خدا تعالیٰ سے دعا کی کہ آپ کی والدہ حضرت آمنہ زندہ ہو جائیں اور ایمان لے آئیں، خدا نے دعا قبول کی، اس حدیث کا راوی حضرت عائشہ کو لکھا ہے:

"پیغامبر علیہ السلام محزوں در حجون فرود آمد و مدتے در آنجا بماند، پس مسرور باز گشت[3]
و گفت از خدائے خواستم کہ مادر من زندہ گرداند پس زندہ گردانید و او بمن ایمان آورد پس باز
بمیرانیدش۔ شیخ محی الدین نووی رحمہ اللہ در کتاب تہذیب الاسماء و اللغات بوضع
و افتراء ایں حدیث تصریح کردہ و گفتہ کہ واضع ایں حدیث قلیل الفہم و عدیم العلم بود"

امام نووی نے اس حدیث کی تردید میں جو دلائل لکھے ہیں مولف نے ان کو نقل کیا ہے، اس کے باوجود خود اس کا اعتقاد یہی ہے حضرت آمنہ دوبارہ زندہ ہو کر اسلام لائیں، لکھتے ہیں

"عجب نیست کہ پیغامبر علیہ السلام از حجون دعا کردہ باشد تا در ابو امادرش اورا زندہ گردانیدہ و ذبح[4]
محبت شدہ باشد"

مخدوم الملک کا ذکر اس کتاب کا سب سے اہم حصہ وہ ہے جس میں مخدوم الملک شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کا ذکر ہے۔ مخدوم الملک کے حال میں یہ کتاب سب سے قدیم اور معتبر ماخذ سمجھی جاتی ہے، اور ان کے حالات میں جو کچھ بھی لکھا جاتا ہے اس میں اس کتاب سے ضرور استفادہ کیا جاتا ہے، مناقب الاصفیا میں مخدوم الملک کی ولادت، بچپن، تحصیل علم کے لیے مولانا اشرف الدین توامہ کے ساتھ سنار گاؤں کا اور پیر کی تلاش میں دہلی کا سفر، حضرت نجیب الدین فردوسی سے بیعت، واپسی میں عالم جذب طاری ہونا، جنگلوں میں عبادت و ریاضت، سلوک کی منزل، بہار شریف میں قیام، رشد و ہدایت اور وفات کے حالات درج ہیں[1]۔ واقعات کے تذکرے میں مصنف نے تاریخ و سال اور افراد کے ناموں میں احتیاط سے کام لیا ہے، معلومات سے آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کی ہے، اس سے معلومات میں کمی ضرور محسوس ہوتی ہے، مگر غلطی کا امکان نہیں رہتا، انداز بیان یہ ہے:-

"شیخ یحییٰ پدر[2] شیخ شرف الدین منیری بر مولانا تقی الدین عربی ساکن خطہ مہسون کہ منقط احیاے علوم اعتقاد داشت شاید ارادت ہم بر مولانائے مذکور بودہ باشد"

"پدر مادر[3] شیخ شرف الدین منیری مردے بزرگ بود قاضی شہاب الدین نام داشت"

"ساعت[4] چوں بہ بلاغت رسید در تعلیم علم دین مشغول شد"

"آں وقت ولایت[5] بنگالہ در ضبط بادشاہ دہلی بود"

"مدتے[6] در صحبت و خدمت مولانائے مذکور ماند"

"بعدہ ملاقات بشیخ[7] نظام الدین رحمۃ اللہ کرد در مجلس ایشان چیزے مذاکرۂ علمی بود

---

[1] مناقب الاصفیا ص ۱۴۷ و [2] وسیلۂ شرف ص ۵۹ [3] مناقب الاصفیا ص ۱۳۰ [4] ایضاً ص ۱۳۱ [5] ایضاً ص ۱۳۱ [6] ایضاً ص ۱۳۱ [7] ایضاً ص ۱۳۲

جواب‌ہاے پسندیدہ گفت شیخ نظام الدین اعزاز و اکرام فرمودند و یک طبق قبول رسانیدند وگفتند سیمرغیست نصیب دام ما نیست"

"در پانی پت رفت ملاقات بشیخ[1] شرف الدین پانی پتی کرد گفت شیخ است اما مغلوب حال است بتربیت دیگرے نمی پردازد"

مولف نے مخدوم الملک کا تعارف بھی بہت حسین پیرایہ میں کرایا ہے:-

"آن مجرد[2] بہ تجرید توحید آن مفرد بتصحیح تفرید آں مبین دقائق مناہج طریقت آں مظہر معانی حقیقت آں صاحب صفا آں مرد خدا آں ساکن بجاے احدیت آں متمکن مقام وحدیت آں مبارز میادین مجاہدہ آں مالک ممالک کشف و مشاہدہ آں سیمرغ قاف یقین آں ہماے ہمت اہل تمکین آں داود تخت خلافت آں سلیمان ملک محبت و معرفت آں واقف اسرار ہدایت و رہبری شیخ جہاں شرف الدین احمد یحییٰ منیری ...."

مخدوم الملک کے سلسلہ میں مناقب الاصفیا میں جو حالات درج ہیں اور جس انداز سے لکھے گئے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ مخدوم شاہ شعیب کو حضرت مخدوم الملک کے ابتدائی خاندانی حالات کا زیادہ علم نہ تھا، حالانکہ آپ کے چچازاد بھائی ہوتے تھے، وصال کا سال بھی حضرت زین بدر عربی کے مرتب کردہ وصیت نامہ سے نقل کیا ہے۔

تالیف کا زمانہ کتاب میں کہیں سال تالیف درج نہیں ہے، اور نہ کسی اور ذریعے سے کوئی اشارہ ملتا ہے، موجودہ صدی کے قبل کی تصانیف میں کہیں بھی مناقب الاصفیا کا حوالہ یا ذکر نہیں ملتا، مولف نے مولانا مظفر بلخی کی رحلت کا ذکر تو کیا ہے، مگر سال وفات نہیں

---

[1] مناقب الاصفیا ص ۱۳۲ [2] ایضاً ص ۱۲۷

لکھا ہے، مولانا مظفر بلخی کا وصال کب ہوا اس کا صحیح اندازہ ہمیں ان خطوط سے ملتا ہے جو پروفیسر سید حسن عسکری (پٹنہ) نے چند سال قبل دریافت کیے ہیں، یہ خطوط[1] بنگال کے سلطان غیاث الدین اعظم شاہ کے نام ہیں، مولانا کے ایک خط سے پتہ چلتا ہے کہ مخدوم الملک اور سلطان کے والد سلطان سکندر شاہ کے درمیان بھی سلسلہ مکاتبت قائم رہا، ایک خط میں مولانا مظفر نے سلطان کو لکھا تھا کہ وہ فقرا کی ایک جماعت کے ساتھ حج کو جانے والے ہیں، اس لیے چاٹگام کی بندرگاہ سے جانے والے پہلے جہاز میں ان کے لیے انتظام کر دیا جائے، چنانچہ اس نے ان کا انتظام کر دیا، دوسرے خط میں مولانا نے اس کا شکریہ ادا کیا ہے، اور اس کے لیے دعائے خیر کی ہے، سکندر شاہ اور اعظم[2] شاہ کا عہد علی الترتیب ۷۵۸ھ۔ ۷۹۲ھ اور ۷۹۲ھ۔ ۸۱۳ھ ہے، لہٰذا مظفر بلخی کا سال وفات بہرحال ۷۹۲ھ کے بعد ہے، اس کے بعد مناقب الاصفیا میں شیخ حسین بلخی کی تالیفات گنج لایخفیٰ، رسالہ جواہر السلوک اور رسالہ در نسب پیغمبر علیہ السلام کے حوالے درج ہیں، جس میں شیخ حسین کے صاحبزادے حضرت شیخ حسن بلخی کے رسالہ لطیف المعانی کا بھی ذکر ہے، مناقب الاصفیا میں سید السادات[3] ظہیر کو مرحوم لکھا ہے، حضرت سید ظہیر[4] کے نام مولانا مظفر بلخی کے خطوط ملتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب نویں صدی ہجری میں مرتب کی گئی ہے۔

کتاب کا مولف بعض لوگوں کو شبہ ہے کہ یہ کتاب مخدوم شاہ شعیب کی تالیف ہے، بعض وجوہ سے اس شبہ کو تقویت ملتی ہے، مولف نے کہیں اپنا نام نہیں لکھا ہے، اور نہ کسی پرانی تصنیف سے کوئی ثبوت ملتا ہے، مخدوم الملک کے خاندانی حالات نہایت مختصر اور غیر واضح ہیں، مناقب الاصفیا

[1] جرنل آف دی بہار ریسرچ سوسائٹی حصہ دوم ۱۹۵۶ء ص ۱ تا ۱۹ [2] سوشل ہسٹری آف دی مسلمز ان بنگال (از ڈاکٹر عبدالکریم ڈھاکہ) ص ۲۷، ۲۸ [3] کارپس آف دی مسلم کوئنس ان بنگال (از عبدالکریم) ص ۴۹، ۵۰
[4] مناقب الاصفیا ص ۵ [5] تاریخ سلسلہ فردوسیہ معین الدین دردائی ص ۲۷۸

سے پتہ چلتا ہے کہ مولف کو مخدوم الملک سے فیض اٹھانے کا کبھی موقع نہیں ملا تھا، اور یہ کتاب اس وقت لکھی گئی جب شیخ حسن بلخی کی لطیف المعانی مرتب ہو چکی تھی، جو مخدوم شعیب متوفی ۸۲۴ھ کے بعد کی کتاب ہے، مناقب الاصفیا سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت حسین بلخی کے کسی مرید کی تالیف ہے کتاب کے آغاز ہی میں مولف فرماتے ہیں کہ

"اما بعد[1] چوں شجرہ پیران بندگی مخدوم شیخ الاسلام والمسلمین بہ الحق والحقیقت والدین شیخ حسین معز شمس بلخی متع اللہ المومنین بطول بقائہ و ادام علیہم نفحۃ لقایہ کہ سبب و دلیل، وامیت مرید الست ......"

اگر مخدوم شعیب کی تالیف ہوتی تو شیخ حسین بلخی کی بجائے مخدوم الملک کو بنیاد بنا کر تمام بزرگوں کا ذکر کیا جاتا، کیونکہ حضرت شعیب مخدوم الملک کے بھائی اور ہمعصر ہونے کے علاوہ مرید بھی تھے، اگر مناقب الاصفیا، واقعی مخدوم شعیب کی تالیف ہے تو وصال کا سال[2] ۸۲۴ھ غلط معلوم ہوتا ہے، اور یہ روایت محض افسانہ معلوم ہوتی ہے، کہ مخدوم الملک نے مولانا مظفر بلخی کو وصیت کی تھی کہ برادرم شعیب کو میرا عمامہ و خرقہ بھجوا دینا، اس کی بجائے یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ مخدوم شعیب کو ارادت شیخ حسین بلخی سے، اور خلافت و اجازت شیخ حسن بلخی سے حاصل تھی، بہرحال مناقب الاصفیا قابل قدر کتاب ہے، فردوسیہ سلسلہ کے مشائخ خصوصاً مخدوم الملک اور مولانا مظفر بلخی کے حالات میں یہ ایک مستند و قدیم ترین تذکرہ ہے۔

[1] مناقب الاصفیا ص ۲
[2] اسید شرف ص ۲۹